شیخ سعد الدین خیرآبادیؒ

(جناب ریاض الانصاری)

نام و وطن | حضرت یوسف خاں غازیؒ رحمتہ اللہ علیہ اور سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہٗ م ۷۲۵ھ-۱۳۲۳ء کے خلیفہ حضرت عثمان غزنویؒ علیہ کے بعد جس بزرگ شخصیت کے خیرآباد آنے کا پتہ چلتا ہے وہ شیخ سعد الدین خیرآبادی م ۹۲۲ھ علیہ الرحمۃ ہیں ان ہی کی ذات سے خیرآباد کا علمی و روحانی سلسلہ شروع ہوا جس کی آخری کڑی مولانا مفتی سید نجم الحسن صاحب خیرآبادی ولادت ۱۹۱۲ء موجود ہیں۔

شیخ صاحب کا پورا نام سعد الدین اور تخلص سعدؔ تھا مگر ابتداءً مخدوم شیخ سعد پھر بڑے مخدوم صاحب یا مخدوم کبیر کے نام سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ آپ کے مزار پر جو قطعہ تاریخ لکھا ہوا ہے اس میں آخر الذکر دونوں لقب آگئے ہیں

حیف آں شاہ ولایت شیخ سعد — گشت در فردوس اعلیٰ جا نگیر
بد چو مخدوم کبیر او را لقب — لاجرم شد سال "مخدوم کبیر"[۱]

شیخ سعد علیہ الرحمۃ کی ولادت ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء میں سلطان محمود بن محمد شاہ تغلق کے عہد حکومت ۷۹۵ھ تا ۸۱۷ھ میں ہوئی[۲]۔ آپ کے والد قاضی بڈھن بن شیخ محمد قدوائی قصبہ اناؤ (موجودہ اناؤ) کے قاضی و حاکم تھے[۳]۔ شیخ سعد کے توطن کے بارے میں تذکرہ نویسوں نے دو مقام لکھے ہیں ایک قصبہ خیرآباد۔ دوسرا اناؤ۔ قصبہ

عہ گزیٹر ضلع سیتاپور مطبوعہ ۱۹۰۵ء عہ فوائد الفواد ص ۲۳۲ پنجشنبہ ہشتم ماہ شوال۔ عہ اس قطعہ کی تاریخ کے متعلق مولانا سید نجم الحسن خیرآبادی نے بتایا ہے کہ یہ عہد اکبری کے مشہور فاضل فیضی کے نتیجۂ فکر کا رہینِ منت ہے۔ کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ملتا مگر یہی قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ شیخ سعد کے مرید خاص شیخ نظام الدین عرف الہدیہ خیرآبادی م ۹۹۳ھ ۱۵۸۶ء سے فیضی کے اچھے تعلقات تھے۔ اسی بناء پر فیضی نے ان کا اور شیخ سعد کا مقبرہ بنوایا تھا جو آج بھی صدیاں گذرنے کے بعد اپنی حالت پر موجود ہے۔

[۲] شیخ کے سنِ ولادت کی کہیں صراحت نہیں ملتی صرف بحر زخار قلمی (آزاد لائبریری) ص ۸۰۶ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ شیخ سعد کی عمر بوقت وفات ایک سو بیس ۱۲۰ سال تھی نیز شیخ کا انتقال ۹۲۲ھ میں ہوا۔ اس حساب سے سنِ ولادت ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء ہوتا ہے۔

[۳] آزاد، غلام علی۔ ماثر الکرام جلد اول (آگرہ ۱۳۲۸ھ) ص ۹۰ قصبہ اناؤ کے متعلق آزاد نے لکھا ہے "شاید کہ اناؤں باشد"

خیرآباد کو وطن لکھنے والوں میں مولوی رحمٰن علی ۱۲۴۴-۱۳۲۵ھ[1] مولانا حکیم عبدالحی لکھنوی ۱۲۸۶-۱۳۴۱ھ[2] نواب صدیق حسن ۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ[3] اور غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۱۶-۱۲۰۰ھ شامل ہیں[4] اسی نسبت سے ان تمام حضرات نے شیخ سعد کے والد کو قصبہ خیرآباد کا قاضی بتایا ہے۔ دوسری طرف قصبہ اٹام کو وطن قرار دینے والوں میں میر عبدالواحد بلگرامی ۱۰۱۷ھ[5] قاضی ارتضا علی گوپاموی ۱۱۸۹-۱۲۵۱ھ[6] ہیں نیز وجیہہ الدین اشرف لکھنوی نے بھی اسی کی تائید کی ہے[7] اور یہی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے

تعلیم وتربیت آپ کے والد قاضی بڈھن آپ کو صغر سنی کے عالم میں چھوڑ کر انتقال کر گئے تھے[8] "مگر ابتدائی تعلیم کا آپ کی والدہ نے خاص لحاظ رکھا۔ علاوہ ازیں بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے آثارِ رشد وہدایت ظاہر تھے"[9] چنانچہ شیخ نے ابتدائے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی جب مکتب بھیجے گئے تو آپ اپنی تختی خود لکھتے تھے اور ہر رات اس کو ایک ہزار بار پڑھتے تھے اسی طریقے سے تختی پر لکھ کر پورا قرآن حفظ کر لیا"[10]

---

[1] رحمٰن علی: تذکرہ علماء ہند ترجمہ ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۱ء) ص [2] حکیم عبدالحی: نزہتہ الخواطر ج ۳ (حیدرآباد ۱۳۷۱ھ) ص ۸۷

[3] صدیق حسن: ابجد العلوم (بھوپال ۱۲۹۵ھ) ص ۸۹۴ [4] آزاد، غلام علی: سبحۃ المرجان (حیدرآباد ۱۳۰۳ھ) ص ۴۲

آزاد نے مذکورہ کتاب سبحۃ المرجان میں قصبہ خیرآباد اور "مآثر الکرام" میں قصبہ اُتام کو وطن قرار دیا ہے۔

[5] میر بلگرامی، عبدالواحد: سبع سنابل (کانپور ۱۳۰۰ھ) ص ۶۷، میر عبدالواحد بلگرامی ۱۰۱۷ھ قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے ان کے آباؤاجداد قصبہ باڑی ضلع سیتاپور (اودھ) کے حاکم وقاضی تھے۔ میر صاحب اپنے زمانے کے زبردست عالم صوفی اور شاعر تھے چشتیہ سلسلے سے مخدوم شیخ صفی کے مرید اور شیخ حسین سکندرہ کے خلیفہ تھے میر صاحب کی متداول تصانیف میں حقائق ہندی" "حل شبہات" "شرح نزہتہ الارواح" اور شرح کافیہ ابن حاجب ۱۲۴۹ء صوفیانہ انداز میں لکھی۔ اس کے علاوہ ایک دوسری تصنیف "سبع سنابل" ہے جو اس مقالہ کا اہم ماخذ ہے کیونکہ یہ تصنیف لگ بھگ اسی دور ۹۶۹ھ کی ہے جب شیخ سعد کے بیشتر خلفاء موجود تھے بلکہ میر صاحب خود شیخ کے زمانے میں موجود تھے اس لئے کہ شیخ سعد کا انتقال ۹۲۲ھ میں ہوا اور میر صاحب نے سو سال سے زاید عمر پاکر ۱۰۱۷ھ میں وفات پائی۔ [6] ارتضا علی: فوائد سعدیہ (لکھنو ۱۳۰۳ھ) ص ۱۳

[7] اشرف، وجیہہ الدین: بحر زخار قلمی (آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ص ۸۰۳ [8] آزاد، غلام علی: سبحۃ المرجان ص ۴۲

[9] آزاد، غلام علی: مآثر الکرام ص ۱۹۰ [10] میر بلگرامی، عبدالواحد: مصدر سابق ص ۷۶، ۷۷۔

شیخ کو علوم سے بڑا شغف تھا بڑی لگن اور انہماک سے علم حاصل کرتے تھے نیز آپ کی والدہ کو بھی اس سے بڑی دلچسپی تھی میر عبدالواحد بلگرامی نے شیخ کی نسبت ایک واقعہ "نقل کیا ہے کہ ایک رات چراغ میں تیل نہیں تھا آپ اپنی والدہ کے پاس گئے اور رونے لگے کہا آج رات میں سبق کس طرح یاد کروں گا؟ ماں نے کہا کہ یہ جو گھاس پھوس کا ایک بوجھ موجود ہے اس میں سے دو دو تین تین تنکے میں جلاتی رہوں گی اور تم اس کی روشنی میں پڑھ لینا چنانچہ ماں نے پورا بوجھ جلا ڈالا اس طرح آپ نے اپنی تختی مقررہ تعداد میں پڑھی"[1]

کم عمری میں شیخ کو کھیل کود سے خاص دلچسپی تھی چنانچہ "کبھی کبھی بچوں کے ساتھ کھیل کود میں شریک ہو جایا کرتے تھے مگر جب قرآن شریف کو ختم کر لیا اور کتاب شروع کی اسی وقت سے تمام آلات واسباب لعب بازی بچوں میں تقسیم کر دیئے۔ اور کہا اس تاریخ سے اب ہم نہیں کھیلیں گے اور علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے"[2]

ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ علوم ظاہری کیلئے لکھنؤ جیسے علمی و روحانی شہر کا ارادہ کیا۔ اور شیخ محمد اعظم اعظم ثانی لکھنوی جیسے یگانۂ روزگار متبحر عالم سے "عنفوان شباب میں پہونچکر اکتساب فیض پر کمربستہ ہوئے"۔[3]

شیخ محمد اعظم اعظم ثانی | تاج العلماء محمد اعظم اعظم ثانی بن شاہ ابوالبقاء بن شاہ موسیٰ بن شاہ ضیاءالدین کرمانی بن ابوالفوارس جلال الدین شاہ شجاع بن امیر مبارز الدین محمد مظفر۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۱ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے۔ آپ کے اجداد ایران کے فرماں روا تھے جن میں امیر مبارز الدین محمد مظفر ۷۱۳ھ میں تخت نشین ہوئے پھر ان کے صاحبزادے ابوالفوارس جلال الدین شاہ شجاع مسند آرائے حکومت ہوئے اور پچیس ۲۵ سال دو ماہ حکمرانی کی۔ شاہ شجاع ۷۸۶ھ کے انتقال کے بعد ان کے برادر قطب الدین تخت و تاج پر قابض ہو گئے۔ اسی خانہ جنگی سے حالات ناسازگار ہوئے قسمت کا ستارہ گردش میں آیا۔ امیر تیمور صاحبقران نے اسی دوران ایران پر حملہ کر کے اس کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا اور تمام شاہزادگان کو تہ تیغ کر دیا۔ مگر شیخ اعظم کے جد اعلیٰ شاہ ضیاءالدین کرمانی صغر سنی میں اپنے بعض رشتہ داروں کے ہمراہ سمرقند آ گئے تھے پھر وہاں سے جوانی کے عالم میں دہلی چلے آئے[4]

---

[1] میر بلگرامی، عبدالواحد: حوالہ بالا ص ۷۷ [2] میر بلگرامی، عبدالواحد: حوالہ بالا ص ۷۷ [3] آزاد، غلام علی: مآثر الکرام ص ۱۹۰ [4] وجیہہ الدین شرف لکھنوی: مصدر سابق تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو ص ۱۸۱ تا ۱۸۴

شیخ اعظم لکھنؤ میں مقیم ہوئے آپ کا شمار اس دور کے متبحر علماء وفقہاء میں ہوتا تھا فقہ حنفی میں بڑی دسترس تھی" آپ کا مرتبہ اور پایہ بہت بلند تھا فقہ کے مسائل کے متعلق نہایت صاف اور مدلل تقریر فرماتے تھے،، [1] اسی بنا پر شیخ کو "اعظم ثانی" کا لقب ملا اور آپ اسی نام سے مشہور ہوئے اس کے علاوہ اہل لکھنؤ مسائل فقہیہ میں آپ ہی سے رجوع کرتے تھے اور پورے "شہر لکھنؤ کے فتادے آپ ہی کے ذمہ تھے" [2] صاحب بحر زخار نے آپ کی فقاہت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "آپ کے احوال فقاہت کو اس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ مکہ مکرمہ پہونچے اور تنہا علماء شافعیہ سے شافعی مذہب پر بحث کرنے کے بعد نعمانی (حنفی) مذہب کی فضیلت کو ثابت کر دیا" [3] شیخ اعظم کے علم فقہ پر متعدد رسائل بھی ہیں" [4] لیکن ان مصنفات کا کہیں ذکر نہیں ملتا

شیخ اعظم سے کثیر خلقت نے استفادہ کیا۔ جن میں اس دور کی قد آور شخصیات مثلاً شیخ محمد مینا لکھنوی، شیخ سعد الدین خیر آبادی، شیخ ضیاء الدین لکھنوی بھی شامل ہیں۔

شیخ محمد مینا نے علم تصوف کی معرکتہ الآرا کتاب "عوارف المعارف" [5] شیخ اعظم ہی سے پڑھی تھی جیسا کہ تذکروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ صاحب بحر زخار نے "تذکرۃ الاصفیاء" کے حوالہ سے ایک واقعہ لکھا ہے کہ "مخدوم شیخ مینا صاحب ولایت لکھنؤ بغرض تحصیل علم شیخ اعظم کی خدمت میں جایا کرتے تھے کسی شخص نے کہا کہ حضرت کیلئے مناسب نہیں ہے کہ ان کو اپنا استاد بنائیں! شیخ مینا نے جواب دیا کہ جب ان علوم کا حامل اس شہر میں موجود ہو اور میں اس سے رجوع نہ کروں تو یہ دیانتداری کے خلاف ہے" [6] اس کے علاوہ شیخ اعظم کو بھی علوم باطنی سے خاصا تعلق تھا" آپ شیخ ابوالفتح جونپوری سے نسبت ارادت رکھتے تھے،، [7]

---

[1] رحمن علی: مصدر سابق ترجمہ ایوب قادری- ص ۱۱۳ [2] وجیہہ الدین اشرف لکھنوی: مصدر سابق ص ۸۸۴ [3] رحمن علی مصدر سابق ص ۲۳ [4] [5] "عوارف المعارف" شہاب الدین سہروردی ۵۳۹-۶۳۲ھ کی معرکتہ الآرا تصنیف ہے جو فن تصوف میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ زمانہ قدیم میں صوفیاء اپنے متوسلین کو اس کا درس دیا کرتے تھے۔

[5] وجیہہ الدین اشرف: حوالہ بالا- ص ۸۸۳، ۸۸۴ [6] رحمن: حوالہ بالا- ص ۲۳- ابوالفتح بن عبدالحی جونپوری ۱۴ محرم ۷۷۲ھ میں بمقام دار الملک دہلی پیدا ہوئے والد کا انتقال ولادت سے پہلے ہی ہو چکا آپ کے دادا عبدالمقتدر بن رکن الدین شریحی نے پرورش کی۔ اور انہیں سے علوم حاصل کئے۔ ابوالفتح اپنے زمانہ کے مشہور فضلاء میں تھے فقہ، اصول، کلام، لغت اور شاعری میں کامل دستگاہ تھی ۸۰۱ھ میں امیر تیمور کے حملہ کے وقت دہلی سے جونپور آگئے اور یہیں بروز جمعہ ۱۳ ربیع الاول ۸۵۹ھ میں وفات ہوئی (نزہتہ الخواطر)

آپ کے تین صاحبزادے تھے "شیخ محمد عرف شیخ قاضی، شیخ احمد فیاض، شیخ نصیر الدین ان میں سے ہر ایک کی اولاد لکھنؤ، دیوہ، اور اُناؤ تام میں موجود ہیں" [1] بحر زخار کے مطابق آپ کی وفات ۱۲ر شوال المکرم ۸۷۵ھ میں ہوئی[2]

شیخ مینا رح کی خدمت میں چوں کہ شیخ سعد نے ظاہری فضائل کی تکمیل اعظم ثانی لکھنوی کی خدمت میں رہ کر کی تھی[3] اس لئے چندہی سال میں تمام علوم منقولات و معقولات سے فارغ ہو گئے اور آپ کا شمار علماء فحول میں ہونے لگا۔[4] اس کے بعد شیخ سعد، شیخ طریقت شاہ محمد مینا کے دامن سے وابستہ ہو کر ان کے مینائے معرفت سے سرشار ہونے لگے جس زمانہ میں شیخ سعد شاہ مینا سے منسلک تھے اسی زمانہ میں" عوارف المعارف شیخ مینا کے حکم سے روزانہ شیخ اعظم ثانی لکھنوی کے پاس پڑھنے جایا کرتے تھے ایک دن شیخ سے عرض کیا کہ جناب بندگی مخدوم کو معلوم ہے کہ خادم اس کتاب کے الفاظ کی تصحیح پر قادر رہے اور معنی کا حل فرمانا یہ حضرت کا خاصہ ہے پھر یہ تعلیم کیسی؟ (اس کے جواب میں) شیخ مینا نے فرمایا کہ بابا یہ دیانتداری نہیں ہے کہ جب علماء موجود ہوں تو ان سے علم حاصل نہ کریں اور اپنے علم کو کافی سمجھیں"[5]

شیخ محمد شاہ مینا رح شیخ محمد بن قطب الدین لکھنوی نام ہے۔ آپ کے چچا" شیخ قوام الدین اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے برادر قطب الدین کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے ہمارا خاندان روشن ہوگا جب مخدوم شیخ مینا رح پیدا ہوئے تو شیخ قوام الدین کو خبر کی گئی آپ نے ہندی زبان میں فرمایا" ہاں آوا مورا مینا" (ہاں میرا مینا آگیا) اسی سبب سے شیخ موصوف کا عرف مینا ہوا اور آپ کا نام شیخ محمد ہے،،[6]

"آوا مورا مینا" یہ اودھ کی مخصوص زبان ہے جو اب بھی نواحِ لکھنؤ بلکہ اکثر اضلاع اودھ کے دیہی علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ مئے و مینا کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ نے لکھا ہے کہ،، مئے و مینا ایک ایسا لفظ ہے جو اس دیار (لکھنؤ) کے عرف میں تعظیم و محبت کے موقع پر استعمال کرتے ہیں،،[7] شیخ مینا نے بچپن ہی سے شیخ قوام الدین کی زیر نگرانی رہ کر تربیت پائی اور اس کے بعد شیخ سارنگ ۸۵۵ھ کے مرید ہوئے،،[8]

---

[1] رحمٰن علی :۔ مصدر سابق ص ۴۲ [2] وجیہہ الدین اشرف مصدر سابق ص ۴۸۲
[3] وجیہہ الدین اشرف ،۔ مصدر سابق ص ۸۰۳ [4] ارتضا علی :۔ مصدر سابق ص ۱۳ [5] ارتضا علی :۔ حوالہ بالا ص ۱۳، ۱۴ [6] اشرف، وجیہہ الدین، حوالہ بالا ص ۷۹۹ [7] عبدالحق محدث دہلوی :۔ اخبار الاخیار (ا ص ۱۷۵ -

تذکرہ نویسوں نے شیخ کی ابتدائی تعلیمی زندگی کا ایک حیرت انگیز واقعہ لکھا ہے جو پہلے ہی دن پیش آیا تھا "جب آپ کو مکتب بھیجا گیا تو آپ نے وہاں الف دباء کے ایسے حقایق و معارف بیان کئے کہ حاضرین محو حیرت تھے۔ استاد سمجھ گئے کہ یہ مادرزاد ولی ہے چنانچہ پڑھنے کی تاکید بھی نہیں کی۔ دوسرے لڑکے پڑھ رہے تھے اور شیخ مینا یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ شام کے وقت معلّم نے تمام لڑکوں کو رخصت کیا لیکن ہنگامہ زیادہ ہونے کی وجہ سے شیخ مینا خود آئے اور رخصت ہوئے" [۱]

شیخ سارنگ رح کی خدمت میں پہونچکر شاہ مینا نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدات کئے مثلاً ان کے متعلق لکھا ہے کہ "اکثر شیخ سارنگ کی زیارت کیلئے جایا کرتے تھے راستہ ناہموار اور خاردار ہونے کے باوجود نعلین چوبیں (کھڑاؤں) پہنے ہوئے راستہ طے کرتے اور کبھی برہنہ پا چلتے" [۲] راتوں کو دیوار پر بیٹھ کر عبادت میں مشغول رہتے تاکہ نیند کا غلبہ نہ ہونے پائے اگر نیند آبھی جائے تو نیچے گر پڑیں" [۳] اگر زمین پر بیٹھ کر عبادت کرتے تو اپنے چاروں طرف کانٹے بچھالیا کرتے تاکہ ہمہ تن متوجہ رہیں اگر نیند آئے تو کانٹوں پر گر کر جاگ جائیں" [۴] بارہا ایسا ہوا کہ سردیوں کے زمانہ میں اپنے کپڑے تر کر لیا کرتے تھے تاکہ غفلت نہ طاری ہوسکے" [۵]

شیخ مینا سے کثیر خلقت نے علوم باطنی کا استفادہ کیا لیکن صرف "دو حضرات خلعتِ خلافت سے مشرف ہوئے ایک مخدوم شیخ سعد دوسرے برادرزادہ شیخ قطب الدین لکھنوی جو (شاہ مینا کے انتقال کے بعد) جانشین ہوئے" [۶] قطب العالم شیخ مینا کا انتقال ۲۳ رصفر ۸۷۰ھ میں ہوا۔ [۷] آپ لکھنؤ میں میڈیکل کالج کے متصل مدفون ہیں۔

شیخ سعد اور خیرآباد شیخ سعد عالم جوانی ہی میں شاہ مینا رح کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے تھے آخر میں (۸۵۲ھ سے ۸۷۰ھ تک) بیس سال مستقل طور پر شاہ مینا رح کی خدمت میں رہ کر ریاضات و مجاہدات کئے جن سے مرتبہ کمال و تکمیل پر پہونچکر خلافت کی خلعت سے مشرف ہوئے [۸] سبھی تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ شاہ مینا رح کے انتقال کے

---

[۱] وجیہہ الدین اشرف: حوالہ بالا ص ۸۔ [۲] [۳]، [۴]، [۵] عبدالحق، حوالہ بالا ص ۱۵۲ [۶] ارتضا علی: حوالہ بالا ص ۱۲ [۷] نواب صدیق حسن: مصدر سابق ص ۸۹۴ [۸] میر بلگرامی عبدالواحد: مصدر سابق ص ۷۹

بعد آپ چند دنوں تک لکھنؤ میں مقیم رہے۔ لیکن "بحرِ زخار کے بموجب "شیخ چھ سال تک مرشد کی وفات کے بعد ان کے مزار کی جاروب کشی کی سعادت حاصل کرتے رہے اس کے بعد شیخ مینا کے اشارۂ باطن پر صاحب ولایت بن کر خیرآباد چلے گئے" ۔ [1]

میر عبدالواحد بلگرامی نے سبع سنابل میں شیخ سعد کے خیرآباد جانے کی ایک خاص وجہ یہ لکھی ہے کہ "شیخ مینا کے دوسرے خلیفہ (برادرزادہ) شیخ قطب الدین لکھنوی سے کوئی شخص شیخ سعد کی موجودگی میں رجوع نہ کرتا تھا۔ حالانکہ وہ بھی ایک صاحب مقام بزرگ تھے۔ اسی کے پیشِ نظر شاہ مینا نے عالمِ خواب میں شیخ کو ہدایت کی کہ تم خیرآباد جاؤ۔ چنانچہ شیخ اسی خواب کے حکم کے بموجب خیرآباد چلے گئے" ۔ [2]

خیرآباد پہونچکر شیخ سعد نے شیخ سلیم کے یہاں قیام فرمایا۔ شیخ سلیم چودھری شاہ مینا کے مرید تھے اس لئے وہ پہلے ہی سے واقف تھے خیرآباد پہونچتے ہی شیخ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس کو صاحب سبع سنابل نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے، "اس وقت پورے خیرآباد کی ولایت (مصارف خورد و نوش وغیرہ) راجی موہلی کے پاس تھی۔ شیخ سلیم اس کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہٗ کی تشریف آوری کا حال سنکر تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ راجی موہلی نے اُٹھنے کا سبب پوچھا۔ چودھری سلیم نے کہا کہ میرے پیر کے خلیفہ تشریف لائے ہیں ان کی قدمبوسی کے لئے کھڑا ہو گیا ہوں۔ چوں کہ اس سال قصبہ میں قحط پڑ گیا تھا راجی موہلی نے کہا کہ ہم نے بہت سے بزرگ دیکھے لیکن ایسا ایک بھی نہ ملا جس کی دعا سے پانی برس جاتا۔ شیخ سلیم نے کہا کہ ہمارے پیر کی شان میں ایسی گستاخی کے کلمات زبان سے مت نکالو۔ اگر ان کی دعا سے پانی برس جائے تو تم کیا کر دگے؟ راجی موہلی نے کہا کہ ننگے پیر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو جاؤں گا۔ عشاء کے بعد حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ سے چودھری سلیم نے عرض کیا کہ راجی موہلی نیک سیرت شخص ہے لیکن آج اس نے مجھ سے اس قسم کی گفتگو کی: آپ نے فرمایا اس نے ٹھیک کہا میں اس قابل کہاں جو میری دعا سے کوئی کام پورا ہو جائے یا پانی برس جائے تم نے ان سے بحث کیوں کی۔ شیخ سلیم نے قدمبوس ہو کر کہا کہ میری آبرو حضرت کے ہاتھ میں ہے

---

[1] میر بلگرامی عبدالواحد: مصدر سابق ص ۷۷، [2] میر بلگرامی عبدالواحد، حوالہ بالا ص ۷۷، ۷۸ ترجمہ منقول از خیرآباد کی ایک جھلک" مؤلفہ نجم الحسن خیرآبادی ص

آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ رؤف ورحیم ہے اگر پانی برسا دے تو محض اس کا کرم ہے زبانِ مبارک سے یہ جملہ نکلا ہی تھا کہ چاروں طرف سے بادل اُمنڈ آیا اور خیرآباد میں اتنی بارش ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے" ۱

شیخ سلیم فجر کی نماز پڑھکر راجی موسیٰ کے دروازے پر گئے اور کہلا بھیجا کہ سلیم حاضر ہے راجی موسیٰ ننگے پاؤں گھر سے نکلا اور چاہا کہ اسی طرح آپ کی خدمت میں پہونچے شیخ (سلیم) نے منع کیا۔ راجی موسیٰ نے کہا میں نے عہد کیا ہے شیخ سلیم بولے کہ مخدوم شیخ سعد نہایت متواضع ہیں تم کو اس طرح پر دیکھ کر کوفتہ ہوں گے تمہارا گھر سے یہاں تک برہنہ پا آنا کافی ہے اب سوار ہو کر چلو پوچھا کہ فتوح (نذرانہ) کیا لوں کہا کہ یہ مجھ سے نہ پوچھو آخر بہت کچھ نقد و جنس لیکر اور اپنے لڑکوں اور بھائیوں اور بھتیجوں کو اور اپنے سب اعزہ کو ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں آیا اور ان سب کے ساتھ مرید ہوا اور خیرآباد کی معافی کا آپ کے سامنے فرمان رکھا اور کہا کہ جس کو چاہئے مرحمت کیجئے آپ نے فرمان کھول کر پڑھا اور ہنسے اور فرمایا کہ اس کو تمہیں رکھو جس کو ہم چاہیں گے تمہارے پاس سے دلوا دیں گے راجی موسیٰ نے اس فرمان کو لیکر تعظیم سے آنکھوں پر رکھا" ۱

شیخ سعد نے خیرآباد کو اپنا مسکن بنا لینے کے بعد" گھر، خانقاہ اور مدرسہ کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا اور اپنے عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں کو اناؤ سے خیرآباد بلا لیا"[۲] مخدوم شیخ سعد کی علمی لیاقت اور بزرگی کا شہرہ سن کر" اطراف و جوانب سے لوگ آنے لگے جن میں بعض بیعت و ارادت کیلئے بعض تحصیل علم کیلئے اور کچھ لوگ محض ملاقات کیلئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ نے ایک لنگر خانہ جاری کیا جہاں جملہ خلائق (زائرین، مسترشدین اور متعلمین) کے خورد و نوش کا سارا انتظام رہتا اور وہ اس سے فیضیاب ہوتی۔ شیخ کے پاس کافی مقدار میں نذرانہ آتا لیکن سب انھیں لوگوں پر خرچ کر دیا جاتا۔ آپ کا حال بالکل یہی تھا

ع بیکے دست در آید بدگر دست رود ـــــ حتیٰ کہ شیخ کے انتقال کے وقت ان کے گھر سے کفن کا بھی انتظام نہ ہو سکا"[۳]

علمی مقام اور مدرسہ: روزگارِ زمانہ اساتذہ، اعظم ثانی لکھنوی و شاہ مینا کی خدمت کا موقع ملا تھا بزر

---

۱ میر بلگرامی، عبدالواحد: حوالہ بالا ص ۸۰، ۹۰، ترجمہ منقول از "عین الولایت" مؤلفہ منشی ولایت علی صفی پوری
۲، ۳ میر بلگرامی، عبدالواحد: مصدر سابق ص ۹۰، ۳ ارتضا علی: مصدر سابق ص ۱۳

بڑے زمانہ تک ان کے دامن علم و معرفت سے وابستہ رہے تھے اس مدت میں آپ نے ایسے ملکات حاصل کر لئے تھے جن سے ترویج و اشاعت دین اور رشد و ہدایت کا کام بحسن و خوبی انجام پا سکے۔

شیخ کے علمی مقام کا اندازہ اس خواب سے ہو سکتا ہے جسے اس دور کے کسی بزرگ نے دیکھا تھا مولوی ارتضا علی خاں گوپاموی نے، فوائد سعدیہ، میں لکھا ہے کہ "علوم شرعیہ میں آپ کے علمی تبحر کا یہ مقام تھا کہ ایک عارف نے ایک رات خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ شیخ سعد کا علماء میں کیا مرتبہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اجتہاد میں امام احمد بن حنبل کا مرتبہ رکھتے ہیں ہے[۱]

تشنگانِ علومِ ظاہری کیلئے شیخ سعد نے خیرآباد میں ایک مدرسہ کا قیام فرمایا جس میں شیخ خود تعلیم دیتے تھے اور آپ کے علاوہ دوسرے اساتذہ بھی تھے اس کا اندازہ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل طلباء کے ان واقعات سے ہو سکتا ہے

۱- "تحفۃ السعدیہ میں لکھا ہے کہ میر سید خرد صغر سنی میں تحصیل علم کے لئے خیرآباد شیخ سعد کے مدرسہ میں پہونچے مگر علوم ظاہری کے اکتساب سے ان کا دل اچاٹ ہو گیا۔ ایک روز شیخ کی نگاہ کشفی ان پر پڑی پوچھا کیسے ہو؟ اور کہاں سے آئے؟ جواب دیا میر سید زید زید پوری کی اولاد سے ہوں خرد نام ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ خرد ایسا بزرگ ہوگا کہ تمام خرد و بزرگ میں بزرگ ہوگا۔ پس شیخ سعد تاکید کے ساتھ ان کو تعلیم دینے لگے فاتحہ فراغ حاصل کر کے مجاہدات کئے جب اس فن میں پایہ تکمیل کو پہونچ گئے تب خرقۂ خلافت عنایت کیا" ہے[۲]

۲- مخدوم شیخ صفی کی عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی کہ مخدوم کی خانقاہ میں آکر مرید ہوئے اور تحصیل علم میں منہمک ہو گئے۔ سر پر ٹوپی کندھے پر پٹکا اور نیچے تہبند تھا خانقاہ میں بڑی محنت سے پڑھتے تھے۔ ایک روز شیخ کی نگاہ ان پر پڑی فرمایا یہ کتنا چھوٹا ہے۔ مخدوم نے آپ کو بلا کر پوچھا بیٹا تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا میرا نام عبد الصمد ہے اور عرف صفی! پوچھا کہاں رہتے ہو؟ کہا سائیں پور! پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ کہا علم الدین - مخدوم شیخ سعد شیخ علم الدین سے پہلے ہی آشنا تھے شیخ نے

---

[۱] وجیہہ الدین اشرف؛ مصدر سابق ص ۸۱۳، ۸۱۴ - [۲] میر بلگرامی، عبد الواحد؛ حوالہ بالا ص ۸۰، ۸۱

فرمایا کہ دوسرے سے نہ پڑھنا مجھ سے پڑھنا میں تمہیں تعلیم دوں گا" [۱]

۳- مولوی واجد علی فرزند آنحضرت (قاضی بخش خیرآبادی) بیان کرتے ہیں کہ وہ بچپن میں بڑے ہی حسین وجمیل اور شیخ سعد کے منظورِ نظر تھے ایک روز شیخ ان کو دیکھنے کے لئے قریہ "تال گاؤں" جو خیرآباد کے متصل ہے گئے۔ وہاں کے لوگ شیخ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آئے۔ شیخ سعد۔ قاضی کو اپنے ہمراہ خیرآباد لے آئے اور علوم ظاہری کے اکتساب میں لگا دیا۔ نسخہ کنز کی تعلیم خود دی حالانکہ قاضی صاحب میں اس کتاب کے پڑھنے کی استعداد نہیں تھی۔ لیکن شیخ نے اپنے زورِ باطن سے اس کتاب کو پڑھا دیا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد صوفیہ کے علوم کو حاصل کرنے لگے چند دنوں کے بعد ان کے مجاہدات، مشاہدات میں تبدیل ہو گئے۔ [۲]

آپ سے کتنے لوگوں نے علوم ظاہری و باطنی اخذ کئے؟ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ تذکروں میں جن اسماء کے متعلق تفصیل ملتی ہے وہ سب کے سب آپ کے خلفاء ہیں جن میں چند کا ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ قاضی من اللہ کاکوروی کا بھی نام آتا ہے [۳] آپ نے اپنی ساری زندگی درس وتدریس میں گذار دی۔ تشنگانِ علوم ومعرفت کے لئے آپ ایک چشمۂ صافی کی حیثیت رکھتے تھے

سکندر لودی کی دعوت | شیخ سعد کی شہرت اب دار الحکومت تک پہونچ چکی تھی۔ سلطان سکندر لودی جو اپنے زمانہ کا محب العلم والعلماء تھا علمی مجالس میں علماء کے دوش بدوش رہتا اور اپنے مراحم خسروانہ سے سرفراز کرتا۔ اس نے اپنے ایک سفر کے دوران شیخ کے پاس پیامِ دعوت بھیجا جس کو شیخ نے قبول کر لیا۔ لیکن آپ کے ساتھ سلطان سکندر لودی نے جو سلوک کیا وہ اس کی شخصیت پہ ایک بدنما داغ ہے گرچہ سلطان

---

[۱] میر بلگرامی، عبد الواحد: حوالہ بالا ص ۸۱۱۸ [۲] وجیہ الدین اشرف: حوالہ بالا ص ۸۱۵، ۸۱۶

[۳] حکیم عبد الحی: مصدر سابق ج ۴ (حیدرآباد ...) ص ۳۶۸ بندگی محمد من اللہ اپنے والد کے ہمنام تھے باپ اور بیٹے کے نام میں فرق کرنے کے لئے لفظ بندگی بڑھا دیا گیا۔ ان کے نام میں بھی اختلاف ہے کسی نے "نی اللہ" لکھا ہے کسی نے "فیض اللہ" مگر صحیح محمد من اللہ ہے یہ سلسلہ چشتیہ کے درویش کامل تھے ان کے نام کے ساتھ لفظ قاضی بھی لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کہیں کا عہدۂ قضا ملا تھا یا خاندانی لقب ہوگا عہدۂ خطابت البتہ ان کی اولاد میں عرصے تک رہا۔ بیعت واجازت وخلافت وتعلیم وتربیت ان کو حضرت شیخ سعد ابن شیخ بڈھن خیرآبادی المتوفی سنہ ۹۲۲ھ سے تھی۔ (تذکرہ مشاہیر کاکوروی ص ۲۱۶، ۱۹۲۷ء مؤلفہ محمد علی حیدر علوی کاکوروی

کی یہ حرکت بطور امتحان ہی کیوں نہ ہو۔ اس واقعہ کی تفصیل سبع سنابل میں یوں مذکور ہے کہ سکندر لودی نے شیخ کے پاس ایک رقعہ لکھا کہ مخدوم سے ملاقات کی بڑی تمنا ہے لیکن میں خود حاضر نہیں ہو سکتا اگر میں آؤں گا تو میرے ہمراہ لشکر بھی ہو گا جس کی وجہ سے ملک پائمال ہو گا اگر مخدوم ہی قدم رنجہ فرمائیں تو بندہ سرفراز ہو جائے۔ مخدوم روانہ ہوئے!

بادشاہ نے نوکروں میں سے ایک سے کہا کہ ایک کشتی میں سوراخ کر دو اور اس سوراخ میں میخ لگا دو اور جب مخدوم شیخ سعد آئیں اور اس کشتی میں سوار ہوں اور کشتی دریا میں پہونچے اس وقت میخ کو اس سوراخ سے آہستہ سے کھینچ لو چنانچہ (حکم کے موجب) ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی عنایت سے غرقاب کشتی پایاب ہو گئی اور زمین پر بیٹھ گئی پانی لوگوں کی پنڈلیوں تک تھا۔

اسی دوران سلطان سکندر نے راجی موسیٰ سے کہا کہ جس کشتی پر تمہارے پیر (شیخ سعد) سوار تھے سُنا جاتا ہے کہ وہ ڈوب گئی ہے راجی موسیٰ نے جواب دیا کہ اے بادشاہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے مرشد ایسے مردانِ خدا میں سے ہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں انسان ان کی کشتی میں بیٹھ کر ساحلِ نجات تک پہونچیں گے اسی وقت معلوم ہوا کہ مخدوم جس کشتی پر سوار تھے اور جس کے غرق ہونے کی اطلاع تھی وہ پایاب ہو کر زمین پر ٹھہر گئی ہے۔

بالآخر مخدوم بادشاہ کے پاس پہونچے باہم ملاقات ہوئی اور کچھ دنوں تک وہیں مقیم رہے انھیں ایام میں بادشاہ کے حکم سے ایک گاؤں لوٹ لیا گیا جہاں کے لوگ مطیع اسلام تھے ان کی چیزوں کو بازار اور لشکر میں فروخت کیا گیا۔ مخدوم کے حلقہ میں ہر قسم کے کھانے موجود تھے بہت لوگ جمع رہتے تھے اور سب کھانا کھاتے شیخ بھی دسترخوان پر حاضر رہتے لیکن کھاتے کچھ نہیں تھے اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اس کھانے کے حلال ہونے میں شبہ تھا۔ آپ نے کسی پر ظاہر نہیں کیا کہ اب تک کوئی چیز نہیں کھائی بارہ دن تک یہی حال رہا بارھویں روز بندگی قاضی محمد من اللہ کاکوروی نے دریافت کیا کہ حضرت شیخ نے اس مدت میں کچھ نہیں کھایا۔ بادشاہ کے لشکر میں ایک امیر تھا جو بادشاہ کا مقرب تھا لیکن اکلِ حلال میں بڑی احتیاط رکھتا تھا ہر چیز آٹا۔ چاول تیل بکری دگر سفید اور اس کے علاوہ دوسری

چیزیں اس کے گھر سے آئیں حتیٰ کہ استنجا کے لئے ڈھیلے بھی اس کے گھر سے آئے۔ بندگی محمد من اللہ اس کے گھر گئے اور وہاں سے کچھ لاکر شیخ کو کھلایا۔ یہ شیخ کی نفس کشی کی ایک ادنیٰ مثال ہے جو انھوں نے انگیز کی۔

ے درد سنج آدمی نبود انچہ کردہ اند ایشاں مگر زطینت انساں نبودہ اند

جب آپ نے بادشاہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو بادشاہ نے شیخ کو خلوت میں طلب کیا جہاں بادشاہ اور شیخ جمالی کنبوہ[۱] موجود تھے چوں کہ شیخ مجرد و حصور تھے اس لئے بادشاہ نے پوچھا کہ حضرت مخدوم سنتِ رسول

---

[۱] حامد بن فضل اللہ نام ہے لیکن جمالی کے نام سے مشہور ہیں کنبوہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے بچپن ہی سے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا پڑھنے لکھنے کا شوق تھا جسے دہلی کے ادبی ماحول نے اور بھی بڑھا دیا۔ جمالی سلطان بہلول کے دورِ حکومت میں گمنام رہے اس زمانہ میں انھوں نے اپنا بیشتر حصہ اپنے پیر و مرشد شیخ سماء الدین سنہ ۹۰۱ھ کی خدمت میں گذارا۔ سلطان سکندر لودی کے عہدِ حکومت میں ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور شہرت پھیلنے لگی۔ چونکہ جمالی درویش بھی تھے اور شاعر بھی اس لئے بہت جلد انھیں شاہی دربار میں رسائی حاصل ہوگئی۔ سکندر لودی نے ان کی بڑی ہمت افزائی کی اور دربار میں بلند مقام عطا کیا سلطان اپنے اشعار پر ان سے اصلاح بھی لیتا تھا اس طرح جمالی بادشاہ کے استاد بھی ہو گئے۔ سکندر کی موت پر جمالی نے ایک دردناک مرثیہ لکھا تھا جس کے تین شعر درج ہیں۔

خلق حیران و پریشاں کہ شہنشاہ چہ شد ہمہ ہر سینہ زناں دست کہ اللہ چہ شد
مہر در آتش غم سوخت شفق خوں بارید انجم چرخ فرو ریخت کہ آں ماہ چہ شد
ظلمت آباد شد آفاق ز شام غم او یا رب آں طلعتِ خورشید سحرگاہ چہ شد

جمالی نے اسلامی ممالک کا ایک دورہ بھی کیا تھا جس میں ممتاز شخصیتوں مثلاً شیخ زین الدین خوافی مولانا رومی مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی شیخ الاسلام مسعود شیروانی وغیرہ سے ملاقات کی۔ سفر سے واپس ہونے کے بعد اپنے پیر و مرشد شیخ سماء الدین کنبوہ کے پاس دہلی چلے آئے اور عزلت گزیں ہو گئے۔ سکندر لودی کی موت (یکشنبہ، ذیقعدہ سنہ ۹۲۳ھ) کے بعد تو بالکل ہی گوشہ نشینی اختیار کر لی لیکن جمالی کی علمی شخصیت اور شاعرانہ عظمت نے مغلیہ دربار میں بھی ہو نچا دیا۔ بابر اور ہمایوں نے ان کی بڑی عزت کی۔ شیخ جمالی کی پانچ تصنیفات ہیں جن میں تین مثنویاں ایک دیوان کے علاوہ سیر و تذکرہ پر مشتمل ایک معرکۃ الآرا تصنیف "سیر العارفین" ہے جس میں اکابر مشائخ کے حالات بڑی صحت کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں۔ جمالی کی وفات ۱۰ ذیقعدہ سنہ ۹۴۲ھ میں بمقام گجرات ہوئی جہاں وہ ہمایوں کے ساتھ ایک جنگی مہم میں شریک تھے گجرات سے دہلی لاش لائی گئی اور خواجہ بختیار کاکی سنہ ۶۳۳ھ کے قریب مدفون ہوئے" معارف اعظم گڑھ ماہ فروری سنہ ۱۹۷۹ء ص ۹۳ تا ۱۰۷
ماخوذ از مقالہ جمالی لودی اور مغل دور کا شاعر (ڈاکٹر ظفر الہدیٰ مرحوم)

نکاح) پر عمل نہیں کرتے اس کا کیا سبب ہے ؟ آپ ابتک خاموش تھے کہ شیخ جمالی نے کہا "شاید ایشاں رجوبیت کم دارند"
شیخ نے جواب دیا "شما را مزید باد"
شیخ جمالی کی اس بے تکی بات پر بادشاہ شرمندہ ہوا جب آپ وہاں سے چلے آئے تب بادشاہ نے شیخ جمالی کو بہت ملامت کی اور کہا

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ... کہ جاہا سپر باید انداختن" [1]

میر عبدالواحد بلگرامی اس کے آگے شیخ کے اس جملہ "شما را مزید باد" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنے کہ مخدوم فرمودند کہ شما را مزید یاد البتہ آں سخن ظاہر خواہد شد و معلوم است کہ شیخ جمالی بقلعے ناشائستہ شہرت داشت واللہ اعلم بالصواب" [2]

تصانیف: شیخ کی تصنیفات کی صحیح تعداد نہیں بتائی جاسکتی بس اتنا معلوم ہے کہ اکثر درسیات پر شروح و حواشی لکھے ہیں جن میں شرح کافیہ، شرح مصباح، شرح حسامی، شرح بزدوی اور شرح رسالہ مکیہ شامل ہے اس کے علاوہ دوسری تصانیف بھی ہیں جیساکہ اکثر تذکرہ نویسوں کے بیان "امثال آں" سے ظاہر ہوتا ہے بعض کتابوں (بحر زخار۔ فوائد سعدیہ) میں شرح حسامی کے بجائے شرح جامی درج ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ فوائد سعدیہ میں جہاں دوسری تصانیف کا تذکرہ ہے وہیں ان کے فن کی بھی وضاحت کی گئی ہے مثلاً "شرح مصباح و کافیہ علم نحو میں شرح جامی و بزدوی علم اصول میں [3] اور مجمع السلوک شرح رسالہ مکیہ تصوف میں [4]" رسالہ مکیہ شیخ قطب الدین دمشقی کی فن تصوف پر مشہور کتاب ہے شیخ سعد نے اس کی شرح لکھی تھی جس کا اصل نام "مجمع السلوک" ہے جو خزانہ جلالی [5] کے طرز پر لکھی تھی یہ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۷۰۷ھ-۷۸۵ھ کے ملفوظات کا مجموعہ

---

[1] [2] میر بلگرامی، عبدالواحد :- مصدر سابق ص ۷۹، ۸۰ [3] جامی کوئی کتاب نہیں جس کی شرح شیخ نے لکھی ہو شرح جامی بہ الکافیہ (ابن حاجب ۶۴۶ھ) کی شرح ہے جسے مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی نے اپنے صاحبزادے ضیاء الدین کے لئے لکھی تھی اس کا اصل نام "الفوائد الضیائیہ" ہے لیکن شرح جامی کے نام سے مشہور ہوئی یہ فن نحو میں ہے حسامی البتہ فن اصول کی ایک مشہور و متداول کتاب ہے جس کی شرح شیخ سعد نے لکھی ہے [4] ارتضا علی : مصدر سابق ص ۱۳۰ [5] "خزانہ جلالی" کو حضرت شیخ جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ایک مرید "احمد المدعو بہ بہا بن حسن بن محمود ابن سلیمان ملتانی" نے مرتب کیا ہے یہ سترہ ابواب پر مشتمل ہے (بزم صوفیہ ... ص ۲۳ ... ۹ ... عبدالرحمٰن)

ہے اس میں شیخ سعد نے اپنے پیر و مرشد شاہ مینا کے اکثر ملفوظات و حالات قلمبند کئے ہیں جب اپنے شیخ (شاہ میناؒ) سے کچھ نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں قال شیخی شیخ مینا ادام اللہ فینا اور جب کبھی قال شیخ شیخی کہتے ہیں تو اس سے مراد شیخ قوام الدین لکھنوی ہوتے ہیں[۱]" شیخ کے اس جملے قال شیخی شیخ مینا ادام اللہ فینا سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ نے یہ کتاب ۸۷۰ھ سے قبل بزمانۂ قیام لکھنؤ لکھی تھی جب شاہ میناؒ باحیات تھے

فن نحو کی معرکتہ الآرا تصنیف شرح کافیہ کی علمی حیثیت اور شہرت سے متعلق صاحب فوائد سعدیہ نے "بعض ثقات سے نقل کیا ہے کہ جب شیخ کے کانوں تک یہ بات پہونچی کہ صدر الصدور دہلی نے میری کتاب "شرح کافیہ" کا رد لکھا ہے تو شیخ موصوف نے شاہ صفی سے فرمایا کہ تم جاؤ اور اس سے مباحثہ کرو — شاہ صفی نے عرض کیا کہ وہ متبحر عالم ہے ہیں اس سے مباحثہ کی قوت نہیں رکھتا شیخ نے فرمایا کہ علم صرف و نحو و معانی میں سیبویہ و اخفش، عبدالقاہر جرجانی اور علامہ زمخشری کو ہم نے تمہارے ہمراہ کیا۔ اور علم تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول میں حضرت عبداللہ ابن عباس، محمد اسماعیل بخاری اور امام ابوحنیفہ و امام شافعی تمہارے ہمراہ ہیں اور علوم عقلیہ میں ارسطو و افلاطون مدد کریں گے،"[۲]

مخدوم شاہ صفی (اس عالم میں) روانہ ہوئے (کہ ہر فن کے ائمہ کی ارواح ان کے ہمراہ تھیں) دہلی پہونچے صدر الصدور سے ملاقات کی وہ آپ کا نام سنکر قدموں پر گر پڑا معافی چاہی اور معذرت کرنے لگا۔ اور کہا کہ میں نے آج کی رات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا ہمارے سعد کو رنج نہ دے اور اس نے تیرے ہلاک کرنے واسطے ایک شیر درندے کو روانہ کیا ہے کہ ہر علم کے امام کی روح اس کے ساتھ آئی ہے اور اس کا حلیہ یہ ہے اور شمائل یہ ہیں جلد پہونچتا ہے اگر اپنی خیریت چاہتا ہے تو توبہ کر۔ سو میں نے خواب سے جاگ کر توبہ کی اور اپنے اوپر لازم کیا کہ عمر بھر روزانہ اس شرح کو تلاوت کے طور پر پڑھوں گا آپ میرا قصور معاف فرمائیں اور مخدوم شیخ سعد سے معاف کرائیں[۳]

---

[۱] عبدالحق :- مصدر سابق ص ۱۸۸ [۲] ارتضا علی : حوالہ بالا ص ۱۷ [۳] ارتضا علی : حوالہ بالا ص ۱۷ ترجمہ منقول از عین الولایت ، مولفہ منشی ولایت علی صفی پوری

ان مذکورہ تصانیف کے علاوہ "بحر زخار" سے چند دوسری تصانیف کا بھی پتہ چلتا ہے ان میں ایک "شرح حواشی قاضی شہاب الدین ملک العلماء"[۱] اور دوسری "اشعار الباب الاعراب" ہے جو "تحفۃ المحمودی"[۲] کے نام سے مشہور ہوئی شیخ کی تمام تصنیفات معدوم ہو چکی ہیں صرف شرح رسالہ مکیہ مسمّیٰ بہ "مجمع السلوک"[۳] موجود ہے جس کا ایک قلمی نسخہ مدرسہ رکنیہ قصبہ لاہرپور ضلع سیتاپور (اودھ) کے موقوفہ کتبخانہ میں محفوظ ہے۔

شاعری: شیخ سعد ایک اچھے شاعر بھی تھے لیکن حقائق و معارف میں ڈوبی ہوئی ایک غزل کے علاوہ کوئی اور کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ تصانیف کی طرح یہ بھی حالات زمانہ کی نذر ہو گیا۔ صرف یہی ایک غزل محفوظ رہی جو اکثر محافلِ سماع میں اب تک پڑھی جاتی رہی ہے۔

غزل

نشاں بر تختۂ ہستی نبود از عالم و آدم	کہ دل در مکتبِ عشق از تمنائے تو می بردم
بروائے عقل نامحرم کہ امشب با خیال او	چناں خوش خلوتے دارم کہ من ہم نیستم محرم
کہ دارد ایں چنیں عیشے کہ در عشق تو من دارم	شرابم خوں، کبابم دل، ندیمم درد، نقلم غم
اگر پرسند سعدا از عشق او حاصل چہ داری	ملامت ہائے گوناگوں جراحت ہائے بے مرہم

۱؎ وجیہہ الدین اشرف: مصدر سابق ص ۸۰۷ قاضی شہاب الدین دولت آبادی دہلی میں پیدا ہوئے۔ قاضی عبدالمقتدر و مولانا خواجگی دہلوی سے تلمذ کیا۔ قاضی عبدالمقتدر ان کے حق میں فرماتے تھے کہ طلبہ میں سے میرے پاس وہ شخص آتا ہے جس کا پوست و گوشت و استخوان علم ہے۔ ابراہیم مشرقی نے ان کو "ملک العلماء" سے ملقب کیا۔ حواشی کافیہ ان کی شہرۂ تصانیف ہے ــــ ذوالفقار نقوی: قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب ص ۱۹۵، ۱۹۶

۲؎ "اشعار الباب الاعراب" کا نام "تحفۃ المحمودی" غالباً اپنے بھتیجے سراج الاسلام بندگی شیخ محمود کے نام پر رکھا ہے کیونکہ شیخ سعد مجرد و حصور تھے اس لئے انھوں نے اپنے بھتیجے کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا جو شیخ سعد کے انتقال کے بعد ان کے فرزند کے نام سے مشہور اور جانشین ہوئے۔

۳؎ مجمع السلوک عربی زبان میں ہے اس کا انتخاب قاضی ارتضا علی خاں گوپاموی [illegible] نے "فوائد سعدیہ" کے نام سے فارسی زبان میں سنہ ۱۲۲۴ھ میں مرتب کیا تھا جو مطبع نولکشور لکھنؤ سے [illegible] میں شائع ہوا۔

خلفاء تصنیفات کے علاوہ شیخ کی دوسری یادگاران کے خلفاء تھے جن کی ایک طویل فہرست ہے، شیخ کے خلفاء کی خصوصیت یہ ہے کہ "ان میں سبھی دانشمند عالم اور بعض حافظ بھی تھے۔" [1]

خلفاء کے اسماء کے سلسلے میں جو فہرست "بحر زخار" نے پیش کی ہے وہ سب سے جامع ہے۔

"(۱) سراج الاسلام بندگی شیخ محمود برادر زادہ و فرزنداں و جانشین و خلیفہ مطلق شیخ سعد است (۲) خواجہ کمال مصنف ملفوظ آنحضرت (۳) شیخ مبارک راجو (۴) قاضی محمد (۵) قاضی من اللہ کانکوردی (۶) شیخ مبارک لکھنوی (۷) شیخ چاند (۸) قاضی راجا (۹) شیخ سکندر (۱۰) شیخ عمادیدہ بلگرامی (۱۱) شیخ ساہن اودھی (۱۲) شیخ ابراہیم بہوجپوری (۱۳) شیخ راجو برادر زادہ شیخ سعد (۱۴) حضرت شیخ صفی سائی پوری (۱۵) شیخ کہیدن خیر آبادی (۱۶) شیخ معظم گوپاموی (۱۷) میران سید حامد لکھنوی (۱۸) بندگی شیخ محمد (۱۹) شیخ اعظم ساکن قلعہ نور (۲۰) میران سید کمین بخاری (۲۱) میران سید خواجہ ساہی (۲۲) شیخ اسحاق نور بجلوری لکھنوی (۲۳) شیخ قاسم رجولی (۲۴) شیخ بدہن مبارک (۲۵) غلام خیر الدین (۲۶) قاضی بخش (۲۷) شیخ مبارک ردولی (۲۸) میران سید پیاری جونپوری (۲۹) شیخ مکدن لکھنوی (۳۰) شیخ برہان (۳۱) میر سید خرد کھیروی خلفاء وفیضیابان شیخ سعد اند" [2]

"عین الولایت" مؤلفہ منشی ولایت علی صفی پوری سے کچھ دوسرے خلفاء کے ناموں کے علاوہ بعض کے وطن کی بھی نشاندہی ہوتی ہے مثلاً شیخ چاند ساکن رجولی۔ شیخ راجا ینا ساکن کھبولی شیخ سکندر خیر آبادی۔ قاضی بخش دالہنو۔ شیخ برہان لاہرپوری —— جن مزید ناموں کا تذکرہ ہے ان میں (۱) شیخ محمود ابن محمد بلخی لکھنوی (۲) شیخ مبارک برادر زادہ شیخ سعد (۳) شیخ ملک شمس آبادی (۴) شیخ نصیر الدین برادر زادہ شیخ سعد (۵) شیخ ابراہیم برادر زادہ شیخ سعد (۶) قاضی سید جواد ساکن دالہنو (۷) سید علاؤ الدین ارزانی صفی پوری ہیں ان کے علاوہ لکھا ہے کہ "ایک اور بزرگ وہیں قنوج کے رہنے والے ان کا نام بہار کی کتابوں میں ایسا لکھا ہوا ہے کہ بالکل پڑھا نہیں جاتا" [3]۔ اس حساب سے شیخ سعد کے خلفاء کی تعداد اڑتیس [38] یا انتالیس [39] تک پہونچتی ہے

---

[1] میر بلگرامی: عبدالواحد: مصدر سابق ص ۸۰ [2] وجیہ الدین اشرف: مصدر سابق ۸۰۶، ۸۰۷
[3] ولایت علی: عین الولایت ص

وفات: شیخ کے سن وفات کے سلسلے میں اختلاف ہے بعض تذکرہ نویسوں نے ۸۸۲ھ لکھا ہے۔

(۱) (الف) مولوی رحمٰن علی صاحب لکھتے ہیں "سال ہشت صد وہشتاد و دو ہجری وفات یافت۔" [۱]
۸۸۲ھ

(ب) مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے "وفات شیخ سعد الدین بقول صاحب تذکرۃ الاقطاب در سال ہشتصد وہشتاد و دو است" [۲]

(ج) حکیم سید عبدالحی حسنی لکھنوی کا بیان ہے "وکانت وفاتہ فی سنۃ اثنتین وثمانین وثمان مائۃ کما فی (الفوائد السعدیۃ)" [۳]
۸۸۲ھ

حکیم صاحب نے فوائد سعدیہ کا جو حوالہ دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ صاحب فوائد سعدیہ نے ۸۸۲ھ کی کہیں تصریح نہیں کی ہے

(۲) قاضی ارتضا علی گوپاموی نے جو کچھ فوائد سعدیہ میں لکھا ہے وہ صرف اتنا ہے "وفاتش شانزدہم ربیع الاول اواخر مائۃ تاسع تا اوائل مائۃ عاشر" [۴]

مذکورہ بالا قول کی بنیاد پر کسی سن کی تعیین نہیں کی جا سکتی

(۳) محمد علی حیدر علوی کاکوروی نے اپنی کتاب "مشاہیر کاکوری" میں لکھا ہے "شیخ سعد ابن شیخ بڈھن خیرآبادی المتوفی ۹۲۲ھ" [۵]

(۴) چوتھا قول ۱۶ ربیع الاول ۹۲۲ھ کا ہے جس کی تائید "بحر زخار" سے ہوتی ہے "
"شیخ سعد بتاریخ شب شانزدہم ربیع الاول سنہ نہصد وبست و دو ہجری مقدس بعالم اتصال خرامید" [۶] یہی آخر الذکر قول صحیح ہے کہ شیخ سعد کی وفات ۱۶ ربیع الاول ۹۲۲ھ کو ہوئی کیوں کہ فیضی کے قطعہ تاریخ سے ۹۲۲ھ نکلتا ہے۔

۱۔ حیف آں شاہ ولایت شیخ سعد ۔۔۔ گشت در فردوس اعلیٰ جائیگر
بہر چہ مخدوم کبیر او را لقب ۔۔۔ لاجرم شد سال "مخدوم کبیر"
۹۲۲ھ

---

[۱] رحمٰن علی: مصدر سابق ص ۷۵ [۲] غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء (لکھنؤ ۱۸۷۳ء) ص ۱۰۴ [۳] عبدالحی نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۹۷ [۴] ارتضا علی: مصدر سابق ص ۱۴ [۵] محمد علی حیدر: مشاہیر کاکوری (لکھنؤ ۱۹۲۷ء) ص ۱۷۴ [۶] وجیہ الدین اشرف، مصدر سابق ۸۰۷

۲۔ سکندر لودی ۸۹۴ھ سے ۹۱۵ھ تک ہندوستان کا فرمانروا رہا اس نے اپنے عہدِ حکومت میں شیخ کو بغرضِ ملاقات وقدمبوسی دعوت دی تھی جس کو شیخ نے قبول کیا جیسا کہ "سبع سنابل" کے حوالہ سے مفصل واقعہ مذکور ہو چکا ہے

۳۔ مخدوم سید نظام الدین عرف الہدیہ خیرآبادی جو ۸۵۶ھ میں بمقام سندیلہ پیدا ہوئے۔ ان کے متعلق مذکور ہے کہ اپنے والد کے ہمراہ کمسنی میں خیرآباد آیا کرتے تھے اور اسی عمر میں شیخ سعد کے مرید ہوئے۔"[۱]

ان شواہد سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ پہلا قول غلط ہے یعنی شیخ سعد کی وفات ۸۸۲ھ میں نہیں ہوئی۔ نیز دوسرے قول "فوائد سعدیہ" سے بھی کوئی سن متعین نہیں ہوتا۔ لیکن تیسرے قول کے مطابق محمد علی حیدر کاکوروی نے جو سن درج کیا ہے اس کی بنیاد شاہ مینا کے سن وفات ۸۷۴ھ اور "بحر زخار" کی مندرجہ ذیل عبارت پر ہے جو کاکوروی صاحب کے حساب سے بالکل درست ہے۔

"آپ کی عمر شریف ایک سو بیس سال تھی جس میں شروع سے پچاس سال تک افادہ علم اور پیر کی صحبت میں رہے اس کے بعد پورے بیس سال تک شیخ کی خدمت کی۔ جب شاہ مینا وفات پا گئے تو چھ سال تک ان کے مزار کی جاروب کشی کی سعادت حاصل کرتے رہے اس کے بعد شیخ کے اشارہ باطن پر (کہ تم کو خیرآباد کی ولایت سپرد کی گئی) وہاں چلے گئے"۔[۲]

شاہ مینا کی وفات ۸۷۴ھ میں ہوئی اس کے بعد مزید چھ سال تک شیخ سعد لکھنؤ میں مقیم رہے یعنی ۸۸۰ھ میں خیرآباد پہونچے جب آپ کی عمر چھیتّر سال کی تھی نیز آپ نے اپنی عمر کے بقیہ چوالیس سال خیرآباد رہ کر گذارے۔ لہٰذا اس حساب سے ۸۸۰ھ۔ ۴۴ برس بقیہ عمر۔ ۹۲۴ھ نکلتا ہے۔

۹۲۲ھ کی تائید میں ان مذکورہ شواہد کے علاوہ اتنا مزید کہا جا سکتا ہے کہ "بحر زخار" نے تقسیم سنین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ تقویم کے لحاظ سے پورے سال نہیں ہیں بلکہ یہ ایک تخمینی عندیہ ہے۔

---

[۱] نجم الحسن: مصدر سابق ص ۳۰۔ [۲] وجیہہ الدین اشرف: مصدر سابق ص ۸۰۶